عباد اللہ فاروقی ایڈوکیٹ

حکمتِ ابن سینا

نویں صدی کے وسط میں ہزارہا فنی کتب کو عربی میں منتقل کیا گیا۔ علم ہئیت کیمسٹری، جغرافیہ حساب، فلسفہ تاریخ اخلاقیات وفلکیات وغیرہ کی متعدد کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں اور ان تراجم کی بدولت عربوں نے نہ صرف ایرانی علم وفضل اور یونانی فلسفہ وحکمت سے واقفیت حاصل کی بلکہ ان علوم وفنون کو اپنی ضروریات اور طرز فکر کے مطابق ڈھال لیا۔ عرب محققین کے یہ تراجم جن میں ان کی اپنی ذہنی کاوش اور عملی تجربات کے نتائج بھی شامل تھے شام، اسپین اور سسلی کے توسط سے یورپ میں پہنچے فلسفہ کے میدان میں مسلمان حکماء نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں ان میں ابن سینا کا نام سرفہرست رہے متقدمین فلسفہ مختلف اشیا کی حقیقت کے علم کو کہتے تھے۔ یعنی موجودات کی ایک ایسی صورت کا ادراک جس میں وہ در حقیقت موجود ہیں اور فلسفے کو ایک ایسا علم سمجھتے تھے جس کے ذریعے انسانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر مختلف اشیا کے وجود کی وجوہات کو سمجھا سکے وہ ارسطو کو فلسفے کا استاد اور گیلن کو ماہر طبیعات کہتے تھے۔ اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے عربوں کا ایمان تھا کہ قرآن اور اسلامی طرز حیات دراصل قانونِ خدا اور تجربات انسانی کا مرقع ہیں۔ لہٰذا عربوں کی سب سے بڑی انسانی خدمات یہ تھیں کہ انہوں نے ایک طرف تو فلسفہ ومذہب اور دوسری طرف فلسفہ وطبیعات کی حدود کو ملا دیا اور اسلامی تہذیب

کا روشن ترین پہلو یہی ہے کہ اس کے باعث انسانی خیالات کی دنیا میں پہلی مرتبہ اسلام نے خدا کی وحدانیت اور فلسفہ کے ڈانڈے ملانے میں کامیابی حاصل کی سائنس دانوں میں ابنِ سینا، البیرونی، علی بن رضوان الرازی، ابن یونس ابن الہثیم اور علی بن عیسیٰ مشہور ہوئے۔

البیرونی پہلا مسلمان تھا جس نے ہندو فلسفے کا پوری توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا ابن یونس ایک عظیم ریاضی دان تھا اس نے فلکیاتی جدولیں تیار کیں شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا اور الرازی نے تقریباً ہر صنعتِ سائنس پر قلم اٹھایا۔

عرب کے طبی حلقوں میں سب سے اہم نام شیخ الرئیس ابن سینا کا ہے۔ ابنِ سینا ۳۷۰ھ بمطابق ۹۸۰ء میں بخارا کے نزدیک پیدا ہوئے آپ طبیب اور فلسفہ دان تھے، انہوں نے عمر کا بیشتر حصہ ایران میں گذارا ان کا فلسفہ ارسطو اور افلاطون و اسلامی فلسفے کا بہترین امتزاج ہے۔

آپ کی تعلیم کا آغاز بخارا سے ہوا۔ آپ کے والد نے اس زمانے کے بہترین ریاضی دان محمود اور ماہر فلکیات ابوالحسن کو آپکی تعلیم پر مامور فرمایا۔ حی ابن یقظان میں ابن طفیل لکھتے ہیں کہ شیخ الرئیس نے دس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا عربی ادب اور دیگر تمام علوم اٹھارہ برس کی عمر تک سیکھ لئے ابو عبید جرجانی جن کے توسط سے ہم شیخ الرئیس کے حالات سے مطلع ہوئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ کے والد اسماعیلی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے ابن سینا کے عقائد کے متعلق بھی طرح طرح کی روایات ملتی ہیں لیکن تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ آخری عمر میں آپ نہایت نیک اور صالح بن گئے تھے۔

فلسفۂ ابن سینا

فلاسفۂ اسلام میں ابن سینا کو جو درجہ حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ شہرستانی اس کو سب کا سرتاج اور سب کے لئے واجب الاتباع خیال کرتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بھی واضح رہے کہ امام غزالیؒ نے اپنی مشہور کتاب تہافتہ الاسلام میں جو حملے فلسفہ پر کئے ہیں وہ درحقیقت بوعلی پر ہی کئے ہیں۔

جب اسلام فلسفۂ یونان کے ساتھ ٹکرایا تو مسلمانوں میں ایک گروہ علمائ متکلمین کا ایسا پیدا ہوگیا جنہوں نے مذہب اور فلسفہ کی تطبیق میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا بوعلی سینا نے علم کلام میں اگرچہ خاص طور پر علم امتیاز بلند نہیں کیا۔ لیکن اسلام کے اصولی مسائل مثلاً توحید نبوت وغیرہ کے متعلق اس نے بحث کی ہے بوعلی سینا نے اسلام اور فلسفہ میں تطابق پیدا کرنے کی غرض سے مشائی اصول کی تشریح کے ساتھ فلسفہ اشراقیہ جدیدہ کا طرز عمل اختیار کیا۔ یہ مسئلہ کہ انسان کو اشیاء کا ادراک کس طریقہ ہوتا ہے بوعلی سینا نے نہایت ہی دلچسپ طور پر بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نفس ناطقہ انسانی کے دو رخ ہیں ایک رخ جسم کے مقابل ہے اور اپنے حصہّ علوی کی تائید سے سوچ سمجھ کا معمولی کام سرانجام دیتا ہے دوسرا رخ تصورات عقلی کا دریچہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ کائنات کا تماشاگاہ ادراکی بنکر جزئیات و کلیات کو ترتیب دے اور ان پر حاوی ہو۔ انسان میں صرف تعقل کی استعداد پائی جاتی ہے اور جو چیز اس استعداد کو سہارا دیئے ہوئے ہے وہ عقل فاعلہ ہے۔ جب انسان ان رکاوٹوں کو جو عقل اور نفس ناطقہ کے اختلاط کی راہ میں حائل ہیں دور کر دیتا ہے تو عقل کی روشنی ان میں سرایت کرنے لگتی ہے اس انجلا کے بوعلی نے چار مدارج قرار دیئے ہیں۔

پہلا درجہ ہیولائی یا امکانی کہلاتا ہے یہ وہ حالت ہے جس میں حالت تعقلی کے ظہور پذیر ہونے کا محض امکان ہوتا ہے اس کی مثال بعینہ اس بچہ کی ہے جس میں کاغذ قلم دوات کو ہاتھ لگانے سے پہلے لکھنے کی استعداد موجود ہوتی ہے۔ جب وہ ابجد نویسی کے مبادیات سیکھ لیتا ہے تو اس حالت کو ابتدائی کہتے ہیں اس حالت میں یہ امکان رہتا ہے کہ بچہ نشو ونما پاکر فن تحریر میں مہارت حاصل کرے گا۔ تیسرے درجے کا نام خفقہ ہے جس کو بچہ کی اس حالت سے

سے تشبیہ دے سکتے ہیں جب وہ لکھنے پر قادر ہو جاتا ہے اس تیسرے درجے میں عقل اکتشاف و استنباط کے کوچہ میں اوّل اول قدم رکھتی ہے۔ اس کے بعد جب نشو ونما یافتہ بچہ میں لکھنے کی قابلیت بطور مستقل پیدا ہو جاتی ہے تو اس حالت کا مقابلہ عقل کے چوتھے درجہ سے کیا جا سکتا ہے جسے عملی کہتے ہیں۔ یہ وہ درجہ ہے جس میں معا[illegible]ت پر پورا پورا عبور حاصل ہو جاتا ہے اس کے بعد بوعلی سینا کہتا ہے کہ اگرچہ اکتساب معارف کی یہ استعداد ہر ایک انسان میں پائی جاتی ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں جو عقل فاعلہ سے متاثر نہ ہو لیکن اس کے بھی مختلف مدارج ہوتے ہیں۔ بعض شخص عقل فاعلہ (یعنی الٰہیات کی اصطلاح میں خدا اور ملائکہ) سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں بعض کم۔ لیکن یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ عقل فاعلہ سے فقط نفس ناطقہ انسانی ہی منفعل ہوتا ہے عقل فاعلہ صورِ کونیہ کی مصوّر اور اشکال کلیہ کی شکل بھی ہے۔

بوعلی کے مذہب میں وجوداتِ خارجہ کا وجود واجب ہے چونکہ واجب ہونے کی صفت علۃ العلل یعنی خالق ہی کا خاصہ ہے اور مخلوق کو اس صفت سے متصف کرنا ایک ایسی ہستی کا ماننا ہے جو اس لحاظ سے خالق علی الاطلاق کی سہیم و شریک ہو لہٰذا بوعلی نے اسکی توجیہ اسطرح کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کے سوا باقی تمام چیزیں اپنی نوعیت کے لحاظ سے ممکن ہیں لیکن علّت اولین کے تخلیقی فعل سے بعض اشیا قابل لزوم یعنی واجب ہو جاتی ہیں" بہ الفاظ دیگر ممکن بدل کر واجب ہو سکتا ہے۔ نبوت خرق عادت تائید ایزدی اور بقائے روح وغیرہ مسائل کو بوعلی سینا نے عقلی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے انفرادی حیثیت سے روح انسانی کے باقی اور غیر فانی ہونے کا ثبوت اس نے ان دلائل سے دیا ہے جن سے افلاطون کام لیتا ہے۔ معجزات اور خرقِ عادت واقعات پر اس کا اعتقاد ایسا ہی ہے جیسے دو اور دو چار کا حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ فلسفہ میں شغف رکھنے کی وجہ سے ابن سینا خرق العادت امور کو ابتداً تشکک کی نظر سے

دیکھتا تھا لیکن اس کے زمانہ کے صوفیا نے علم حضوری کے بعض بعض کرشمے اس کو ایسے دکھائے کہ اس کا تشکک بالکل جاتا رہا۔

بوعلی اگرچہ خوارق عادت کا وجود تسلیم کرتا تھا لیکن عوام کی طرح اس کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ اس قسم کے امور قوانین قدرت کے تابع نہیں ہوتے۔ ابن سینا کے نزدیک خرق عادت کا ظہور بھی معمولی حوادث کی طرح قدرتی اسباب کے وجود کو مستلزم ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ معمولی حوادث کی علتیں عام لوگوں کو معلوم ہوتی ہیں اور خرق عادات کی علتوں کا دریافت کرنا فلاسفرا اور متصوفین کا کام ہے وہ کہتا ہے کہ خرق عادات کبھی عناصر کے قویٰ کے امتزاج سے صادر ہوتے ہیں۔ کبھی کواکب کی تاثیرات سے اور کبھی قوائے نفسانیہ کی بدولت۔

بوعلی نے مختلف خرق عادت کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں۔ ان میں سے اس نے سب سے بڑا سبب قوتِ نفسانی کا اثر قرار دیا ہے اس کی تفصیل اس کے بیان کے مطابق حسب ذیل ہے۔

" یہ امر بداہتہً ثابت ہے کہ تخیل اور توہم کا اثر جسم پر پڑتا ہے مثلاً خوشی سے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے بعض دفعہ محض وہم سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ غصہ کی حالت میں جسم میں حرارت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے اس سے اس قدر ثابت ہوا کہ مادیین کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ مادہ پر صرف مادہ ہی اثر ڈال سکتا ہے۔ خیال و وہم غیض و غضب مادہ نہیں بلکہ ایک کیفیت ہے۔ باوجود اس کے ان کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔ بعض انسانوں میں یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ دوسروں پر اثر ڈال سکتے ہیں یہ قوت انسانوں میں علی قدر مراتب قوی اور ضعیف ہوتی ہے اور بعض انسانوں میں اس قدر قوی ہوتی ہے کہ اس سے نہایت ہی عجیب و غریب افعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہ قوت جس میں جبلی و فطری ہوتی ہے اور اس کے ساتھ وہ فطرتاً مقدس اور پاکیزہ خو ہوتا ہے اور اس قوت کو اغراض حسنہ میں صرف کرتا ہے تو وہ نبی یا ولی ہوتا ہے۔ اور

اگر اس قوت کے ساتھ فطرتاً بد طینت اور شریر ہوتا ہے اور اس قوت کو برے کاموں میں صرف کرتا ہے تو وہ جادوگر اور شعبدہ گر ہوتا ہے۔

نبوت کے متعلق بو علی نے جو بحث کی ہے وہ نہایت ہی دلچسپ ہے وہ کہتا ہے کہ اگر خدا کو اس حیثیت سے مانا جائے کہ وہ مبدا خیر ہے تو نبی کا ماننا لازم آتا ہے۔ اس کے نزدیک بنی نوع انسان کی بقاء اور انکی بہبودی کے لئے دو باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اول یہ کہ انسان خیر و شر حق و غیر حق میں تمیز کر سکے دوسرے یہ کہ کوئی طاقت جس کو قانون اخلاق کے ان حقائق کا انکشاف ہو سکے۔ موجود ہو جس سے انسان مدد لے سکے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ایک نبی مبعوث ہو جو وحدت ذات باری تعالیٰ کی تلقین کرے۔ انسان کے لئے اخلاقی قواعد بنائے اور ثواب وجزا کی بشارت دیکر اسے صراط مستقیم پہ چلنے کی فہمائش کرے بنوت کی حقیقت تسلیم کرنے کے لئے معجزات کا ظہور ضروری ہے۔

شفا میں اثبات بنوت کے عنوان سے جو فصل بو علی سینا نے درج کی ہے اس میں نبی کے متعلق وہ لکھتا ہے۔

فیکون لہ المعجزات التی اخبرنا بہا۔

اس کا خیال ہے کہ جس طرح معمولی حالتوں میں نفس ناطقہ انسانی یا روح بدن کے اعضا و جوارح پر اپنا اثر ڈالتی ہے اسی طرح غیر معمولی حالتوں میں جب اس کا (نفس ناطقہ انسانی کا) گذر مقامات عالیہ میں ہوتا ہے تو وہ ان عقول مجردہ عن المادہ کی ہم رتبہ ہو جاتی ہے۔ جو اپنی قوت ناطقہ کے استعداد کی بدولت کائنات کے تمام مظاہر انفعالی میں نافذ و ساری ہو سکتی ہیں۔ کائنات غیر مرئی کے ساتھ نبی کے فوائد اور اکیہ کا یہ اتصال ایسے پر اسرار طریقہ پر عمل میں آتا ہے کہ معمولی فہم کا انسان اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ نبی پر اس قوت قدسیہ کی بدولت بہت سی حقیقتیں اس طرح منکشف ہو جاتی ہیں جس طرح اندھیرے میں بجلی کے کوندنے سے دفعتہً آس پاس کی چیزیں جگمگا اٹھیں اس عالم میں صاحب قوت قدسیہ

کی عقل اپنا پر تو ڈرح پر یعنی وجود کے اس مظہر پر ڈالتی ہے جس کا کام جزئیات اور کلیات کا معمولی طور پر ادراک کرنا ہے اس وقت نبی کو ملائکہ مجسم صورت میں نظر آتے ہیں اور وہ ان کی خوش الحان آواز بھی سنتا ہے ۔

ارسطو کے نزدیک عالم قدیم وازلی تھا بو علی سینا بھی قدم عالم کا قایل ہے لیکن اسلام کی تعلیم نے ذات باری تعالیٰ کی صفات کے متعلق جو خیالات اس کے ذہن نشین کئے تھے ان کے لحاظ سے ممکن نہ تھا کہ وہ عالم کو انہیں معنوں میں قدیم وازلی سمجھے جن معنوں میں ذات باری قدیم وازلی ہے کیونکہ اگر وہ ایسا سمجھتا تو عالم اور خدا دو برابر کی ہستیاں سمجھی جاتیں جو ایک دوسرے کی شریک و سہیم ہوتیں۔ حالانکہ خدا علت العلل ہے اور اس لحاظ سے تکوین عالم کی علت ہے اس بنا پر بو علی سینا عالم کے قدم سے قدم بالذات مراد نہیں لیتا بلکہ اس کو قدم بالغیر سمجھتا ہے قدم بالذات صرف خدا کی صفت ہو سکتی ہے جو واجب الوجود ہے بالفاظ دیگر خدا اور عالم دونوں قدیم اور ازلی ہیں ۔ خدا بہ حیثیت علت ہونے کے اور عالم بہ حیثیت معلول ہونے کے اس پر گو بظاہر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ جب ایک علت ہے اور دوسرا معلول تو دونوں قدیم کیسے ہو سکتے ہیں ۔ کیوں کہ اشتراک قدم کے لئے اشتراک زمانی ضروری ہے حالانکہ علت ہمیشہ مقدم ہوا کرتی ہے اور معلول موخر لیکن تھوڑے سے غور سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اعتراض صرف لفظی ہے ورنہ اصلیت اسکی کچھ نہیں ۔ علت اور معلول دراصل ایک معینہ حادثہ یا واقعہ کے دو رکن ہیں جو ہمیشہ لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ ایک کا ظہور ہوتا ہے تو دوسرا معاً اس کے ساتھ موجود ہوتا ہے زید جب لکھتا ہے تو (لکھنا) ایک واقعہ ہے جو دو ارکان سے مرکب ہے ۔ قلم کا جنبش میں آنا اور کاغذ پر تحریر کا نمودار ہونا جن میں اوّل الذکر علت ہے اور ثانی الذکر معلول ۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ترتیب زمانی کے اعتبار سے قلم کا جنبش میں آنا مقدم ہے اور تحریر کا کاغذ پر نمودار ہونا موخر تو یہ اس کا خیال ہی خیال ہے قلم جس وقت جنبش میں آتا ہے اسی وقت تحریر بھی کاغذ پر نمودار ہو جاتی ہے اس استدلال کو مدنظر

رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا اور عالم باوجود علت و معلول ہونے کے قدیم و ازلی ہیں۔

حدوث عالم کی نفی بوعلی سینا نے فارابی کی طرح اس دلیل سے کی ہے کہ جملہ حوادث کا مصدر حرکت فلکیہ ہے اور چونکہ حرکت فلکیہ عقل اولین کا نتیجہ ہے اور عقل اولین علت العلل یعنی واجب الوجود کے ساتھ قدیم (قدیم بالذات نہیں بلکہ قدیم بالغیر) ہے لہذا جو اشیاء اس سے صادر ہوں گی وہ بھی قدیم ہوں گی۔

قدم و ازل کی بحث کے بعد بوعلی سینا نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چونکہ ذات واجب الوجود سب جہات سے واجب الوجود اور تمام اشیاء کی علت ہے لہذا وہ معلول کو بھی واجب کر دیگی۔ اور جب یہ علت خود ہمیشہ باقی ہے تو معلول بھی دائمی طور پر معلول ہے۔ اصل عبارت بوعلی سینا کی شفا میں حسب ذیل ہے۔

وقد بان لک ان واجب الوجود بذاته واجب الوجود من جمیع جہاته فانه لا یجوز ان یتاخر له حالة لم تکن معه انه قد بان لک ان العلة انما تکون موجبة للمعلول فان دامت اوجبت المعلول دایما۔

بوعلی سینا کے خیال کے مطابق ممکن اور واجب کے تصور سے ایک ہستی واجب الوجود کا موجود ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ خالق کے وجود کا ثبوت اسکی مخلوقات سے دینے کے بجائے ہم کو چاہئے کہ جملہ موجودات امکانی و خیالی سے ایک علت اولی اور ذات واجب الوجود کا استخراج کریں۔ جسکی صفات عین ذات ہیں عنصری کل اجسام تحت الافلاک نوعیت کے لحاظ سے ممکن ہیں۔ بلکہ خود افلاک بھی محض امکانی حیثیت رکھتے ہیں ان سب کا وجود ایک ذات کے وجود کی بدولت واجب ہو جاتا ہے جو فوق الامکان ہے اس لحاظ سے کثرت و تبدیلی سے بالاتر ہے۔

ذات باری تعالیٰ کے تصور میں بلحاظ ان صفات کے تنوع اور تناقض کے جو خدا سے منسوب کی جاتی ہیں اور باعتبار مخلوقات کے گوناگوں ہونے کے جو مشکلات فلاسفہ کو پیش آئی ہیں اور ان مشکلات کو جن مسائل کے ذریعہ ظاہر کیا

گیا ہے ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ

الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد

یعنی جو شے بالذات واحد ہو اس سے اگر کوئی شے صادر ہوگی تو وہ واحد ہی ہوگی بوعلی سینا کو بھی اس اصول کا قائل ہونا پڑا چنانچہ وہ کہتا ہے کہ جو ذات واجب مطلق ہو وہ واحد مطلق ہوتی ہے جس سے کثیر اشیاء کا صادر ہونا محال ہے یہ واجب اور واحد مطلق ذات خدا ہے اور اگرچہ ہم کو بعض صفات مثلاً تعقل وغیرہ اس سے منسوب کرنی پڑتی ہیں لیکن یہ صفات محض سلبی یا اعتباری حیثیت رکھتی ہیں اور اسکی وحدت پر اثر نہیں ڈالتیں یہ ذات واحد اور صرف ایک ہستی کا مبداء ہو سکتی تھی یعنی عقل اولین کا۔ عقل اولین نے پیدا ہو کر کثرت کی بنا ڈالی یعنی اس سے ایک اور عقل پیدا ہوئی اس سے ایک اور یہاں تک کہ عقل فعال کا ظہور ہوا جس نے تمام مادی اجسام اور اشکال و ارواح کو واسطہ در واسطہ پیدا کیا۔

خدا کے متعلق بوعلی سینا کا نظریہ اس کی مندرجہ ذیل عبارت میں بیان کیا گیا ہے۔

فقد ظهر لنا ان للکل مبداء واجب الوجود غیر داخل فی جنس او واقع تحت حد او برهان بری عن الکم والکیف والماهیة والاین والمتی والحرکة لا ند له ولا شریک له وانه واحد بجمیع الوجوه

(شفا مقالہ نہم)

خیر و شر کے متعلق بوعلی سینا کا خیال ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں البتہ خیر کا وجود خدا کی خوشنودی اور صوابدید کا موجب ہے شر اول تو حقیقی طور پر موجود ہی نہیں اور اگر منجانب اللہ ہونے کے لحاظ سے موجود ہے بھی تو محض ایک شے اعتباری ہے جو شرور دنیا سے لازمی طور پر وابستہ ہیں ان سے دنیا کو بچانے کے لئے اگر خدا انہیں پیدا نہ کرتا تو خود اس عدم تخلیق کی وجہ سے ایک بہت بڑا شر ظہور میں آتا کیونکہ عالم میں جس قدر نیکی اور خوبصورتی بحالت موجودہ نظر آتی ہے اس سے زیادہ ہونا ممکن نہ تھی۔

نظام عالم میں جو ترتیب اور خوش اسلوبی ہم کو نظر آ رہی ہے وہ تائید غیبی ہے جو

عقول فلکیہ کے ذریعہ سے عمل میں آتی ہے خدا اور صور علمیہ صرف کلیات کا ادراک کرتے ہیں مدرکِ جزئیات ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے البتہ عقول فلکیہ جن کے تفویض مفردات کی وکالت ہے اور جن کی مدد سے روح جسم پر عمل کرتی ہے وہ ہستیاں ہیں جن کی وساطت سے یہ امر ممکن ہو جاتا ہے کہ خدا فرداً فرداً اشیاء و اشخاص کی نگہداشت و خبر گیری کرے اور مصدر الہام و تنزیل بنے۔

بو علی سینا نے طبیعات میں اپنے تمام مسائل کا مدار اس اصول پر رکھا ہے کہ جسم کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتا بہ الفاظ دیگر مادہ محض سے جسم کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ ایک جوہر مستعد ہے کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا جو چیز علت یا سبب ہونے کی استعداد رکھتی ہے وہ ہر صورت میں یا تو کوئی طاقت ہوتی ہے یا صورت علمیہ یا روح۔ بنا بریں عالم طبعی میں بے شمار طاقتیں ہیں جنہیں اگر نیچے اوپر قدر مدارج رکھا جائے تو طبقہ سافل سے طبقہ عالی کی طرف جاتے وقت ان میں سے حسب ذیل زیادہ نمایاں اور ممتاز نظر آئیگی۔ قدرت کی قوتیں۔ نباتات اور حیوانات کی نامیہ طاقتیں نفوس ناطقہ انسانی۔ نفوس قدسیہ۔

روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کی تعریف ارسطو نے یہ کی ہے کہ مدرکِ کلیات و جزئیات ہے بو علی سینا نے زیادہ موشگافی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ طبیعات شفا میں لکھتا ہے۔

"با لجملۃ کل ما یکون مبدأ لصدور افاعیل لیست علیٰ وتیرۃ واحدۃ عادمۃ الارادۃ فانا نسمیہ نفساً۔ یعنی نفس اس قوت کا نام ہے جو ان افعال کے صدور کا مبداء ہو جو ایک وتیرہ پر نہ ہو۔ جن سے ارادہ کا انعدام ہو جائے"

اسی تعریف کے بموجب ادراک اشیاء کی بھی بو علی سینا کے مذہب میں تین حالتیں ہیں۔ اشیاء مادی کا ادراک حواس کے ذریعہ سے ہوتا ہے اشیاء غیر مادیہ جزئیہ کا نفس کے ذریعہ سے اور اشیاء غیر مادیہ کلیہ کا عقل کے ذریعہ۔

فطرت انسانی کے متعلق بوعلی سینا کا خیال بھی کچھ عجیب ہے۔ اس کی رائے میں جسم اور روح کا باہمی تعلق حقیقی و لازمی نہیں۔ کل اجسام عناصر کی آمیزش سے کواکب کی تاثیرات کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔ اور بدن انسانی کے معرض شہود میں آنے کا طریقہ بھی یہی ہے۔ البتہ اس میں آمیزش کے وقت عناصر میں نہایت لطیف تناسب رکھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بالکل ممکن ہے کہ نسل انسانی کے اقدام وابداع کی طرح بدن بھی خود بخود پیدا ہو جائے۔ یعنی بذریعہ توالد نہیں بلکہ بہ طریقہ تولد۔ لیکن روح کی توجیہہ آمیزش عناصر سے نہیں کی جا سکتی۔ روح کو شکل نہ سمجھنا چاہیئے جو جسم کا جزو لاینفک ہے بلکہ جسم کو جوہر سمجھ کر اسے عرض سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ مصوّر مطلق یعنی اس عقل فعال کو جو ہم پر مسلط ہے مبداء فیاض سمجھنا چاہیئے جہاں سے ہر جسم کو ایک روح ملتی ہے اور یہ روح اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اسی جسم کے لئے موزوں ہوتی ہے ابتدا ہی سے ہر روح میں بعض ذاتی خصوصیات پائی جاتی ہیں اور جب تک وہ جسم کے اندر رہتی ہے یہ خصوصیات نشو و نما پاتی رہتی ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ خیال اس دعوے کے ساتھ توافق نہیں رکھتا کہ مادہ ذات کا جزو اصلی ہے۔ لیکن بوعلی سینا روح کو عجائبات قدرت کا مظہر سمجھتا ہے با ایں ہمہ اس کی طباعی اور ذہانت اسے یہ اجازت نہیں دیتی کہ اسرار حیات کے قفل کی کلید روح ہی کو مان لے جہاں اس نے عدم و وجود کی پیچ در پیچ راہوں سے روح کے گذرنے اور حیات کی بھول بھلیاں میں اس کے بھٹکتے پھرنے کا ذکر کرتے وقت ان حیرت انگیز اور کثیر التعداد طاقتوں اور اثروں کا ذکر کیا ہے جو روح میں ودیعت کی گئی ہیں وہاں بار بار یہ بھی کہا ہے کہ ان پہیلیوں کے بوجھنے میں جلد بازی سے کام نہ لینا چاہیئے۔

بوعلی سینا کے خیال کے مطابق ملکات نظری قوائے روحانی کا گل سرسبد ہیں عالم مادی کا تعقل روح مدرک کو حواس خارجی و باطنی کے ذریعہ سے ہوتا ہے بوعلی نے حواس باطنی کے متعلق اپنی رائے نہایت تفصیل کے ساتھ قلمبند کی ہے اس باطنی سے تخیل و اظہار کے وہ قوائے حسی و ذہنی مراد ہیں جن کا مستقر دماغ ہے۔

بوعلی سینا کے نزدیک دماغ کے سامنے والے حصہ میں دو جداگانہ قوتیں موجود ہیں جو ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں ایک تو محسوسات کی یاد جسے مجموعی صورتوں کے خزانہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور ایک حس مشترک اس کے بعد بوعلی سینا کہتا ہے کہ ادراک بالنفس جو دماغ کے درمیانی حصہ کے عمل کا نتیجہ ہے ایک حد تک حس و شہودی زندگی کے اثرات کے باعث بے خبری کے عالم میں بر سبیل اضطرار مرتب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ حالت حیوانات درجہ سافل میں پائی جاتی ہے اور ایک حد تک اختیاری طور پر ہشیاری کے عالم میں عقل کی تائید سے نتیج ہوتی ہے۔ حالت اولی میں عمل خیال شئے منفرد سے تعلق رکھتا ہے مثلاً بھیڑ جانتی ہے کہ بھیڑیئے کو اس سے دشمنی ہے اور حالت ثانی میں کلیات پر حادی ہو جاتا ہے بالآخر دماغ کے پچھلے حصہ میں ایک پانچویں طاقت رکھی گئی ہے جسے حافظہ مدرکات یعنی ان صورتوں کا خزانہ کہہ سکتے ہیں جو تاثر حسی اور تخیل عقلی کے متفقہ عمل سے پیدا ہوتی ہیں اس طور پر بوعلی سینا کے نزدیک حواس ظاہری کے مقابل میں حواس خمسہ باطنی موجود ہیں یعنی (۱) حس مشترک

(۲) صور محسوسہ مجموعی کی یاد

(۳) ادراک اضطراری متعلق با فراد

(۴) ادراک اختیاری با تعمیم

(۵) مدرکات عالیہ کی یاد

بوعلی سینا کے نزدیک نفس عقلی جو ملکات تحتانی پر حکومت کرتا ہے اور جسے مطالب کلیتہ عالیہ کا ادراک بذریعہ الہام ہوتا ہے۔ حقیقی نفس ناطقہ ہے۔ اس مسئلہ کی تشریح میں بوعلی سینا وضاحت و صراحت کے لحاظ سے فارابی پر سبقت لے گیا ہے اور اس کے زمانہ سے معرض شہود میں آئے ہوئے نفوس انسانی کے بقائے انفرادی کا مسئلہ مذہب مشائیہ کا ایک جزو سمجھا جانے لگا ہے۔ بخلاف اس کے یہ دعوے کہ روح انسانی منفردانہ حیثیت سے باقی و غیر فانی نہیں اشراقین سے منسوب کیا جاتا ہے اس طور پر بوعلی سینا کے فلسفہ میں اور مذہب کے اصول مسلمہ میں زیادہ تر توافق پیدا ہو گیا ہے۔

حیات اور بدن انسانی کو ایک درس گاہ سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ جس میں روح کو گویا تعلیم و تربیت پانے کا موقعہ ملتا ہے لیکن جسمانی موت پر جو اس جسم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیتی ہے۔ روح انسانی بدستور قائم رہتی ہے اور اس نفس مطلق سے جو تمام کائنات کا فرمانروا اور اس لحاظ سے گویا نفس عالم ہے کم یا زیادہ واسطہ رکھتی ہے اسی تعلق پر جسے انضمام کامل نہ سمجھنا چاہیئے نفوس مطمئنہ یعنی نیک اور ذی معرفت روحوں کی سعادت مشتمل ہے۔ باقی ارواح کے مقدر میں عذاب ابدی لکھا ہے کیونکہ جس طرح بدنی قوانین کی خلاف ورزی بدن کو امراض کی سزا کا مستوجب قرار دیتی ہے۔ اسی طرح روحانی شقاوت کا بھی لازمی نتیجہ عذاب ہے اسی طرح جزائے اُخروی بھی علی سبیل مدارج اس اخلاقی یا ادراکی علم کے لحاظ سے دی جاتی ہے جو روح دنیوی زندگی میں حاصل کرتی ہے۔

فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیراً یرہ ۝ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شراً یرہ۔

سعید روح گو نوائب دہر میں مبتلا ہوں لیکن اس خیال سے انکی تشفی ہوتی رہتی ہے کہ آخر میں نعمت ابدی انہیں میسر ہوگی۔

ازمنہ وسطیٰ میں بوعلی سینا کا درجہ فلسفہ میں وہ نہیں تھا جو طب میں تھا پھر بھی زمانہ بعد کے علماء نے منطق میں اس کے مسائل سے بہت کچھ استفادہ کیا منطق میں بوعلی سینا صورت محض اور تصدیق میں امتیاز کرتا ہے اور ان اصولی ارکان کی بناء پر علم کا ایک مکمل نظام تعریف اور قیاس کے دو عملوں کے ذریعے سے قائم کرتا ہے لیکن منطق کی تاریخ میں بوعلی سینا کے مذہب کو اگر وقیع و اہم سمجھا جا سکتا ہے تو صرف اس حد تک جس حد تک اس کو ان خیالات یا نظریات کی نوعیت یا منصب سے تعلق ہے جو موجودات کی کیفیت پر دلالت کرتے ہوں۔ یہ مسئلہ اوّل اوّل فرفوریوس نے مشرق اور مغرب دونوں کو سمجھایا اور سب سے پہلے فلاسفہ اسلام اس کی تہ کو پہنچے۔ الفارابی نے یہ ظاہر کیا کہ کلیات اور جزئیات

بیرو محسوسات کے ساتھ تعلق رکھنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں ایک طرح سے وجود عقلی رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے جوہر کار یعنی ذات باری کو من حیث مجرد عن المادہ ہونے کے کلیات سے باعتبار اس تعلق کے جو کلیات کو افراد متعددہ سے ہے جدا کر دیا تھا۔ بوعلی سینا کا مذہب انہیں اشارات پر مبنی ہے۔

تصورات یا اشکال عقلیہ کو جن پر معلومات حقیقی مشتمل ہیں تین پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اول معنوی یا امکانی طور پر (یعنی بہ طریقہ مابعد الطبیعات) دوم محسوسات کی شکل میں (طبعی طور پر) سوم خیال کے طریقۂ عمل کی شکل میں (از روئے منطق) شق اول کو تصور کے وجود اصلی و مطلق سے بحث ہے اس کے علاوہ تصور پر من حیث اس مشابہت یا مماثلت کے نظر ڈالی جا سکتی ہے جو دو چیزوں کے باہمی مقابلے سے بذریعہ تخیل ذہنی پیدا ہوتی ہے اس طور پر تصور کو اعتباری یا دوسری شے کے ساتھ تعلق ظاہر کرنے والا کہہ سکتے ہیں۔ جب اس حیثیت سے اس پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ان مشترک کیفیات کا مظہر سمجھا جاتا ہے جو انفرادی مثالوں کے باہمی مقابلے سے حاصل ہوتی ہیں تو اس کو کلیہ سے تعبیر کرتے ہیں تصور مطلق کو تمام کلیہ کی شناخت اول اول عقل بسیط ہی عطا کرتی ہے جب تصور پر بحیثیت یعنی اشیائے خارجی کا پرتو ہونے کی حیثیت سے نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ اشیائے طبعی کے افراد کا کم و بیش نمونہ یا مثال ہو جاتا ہے۔ اسمار کا مقصد اولی انہیں اشیائے خارجی کی تعبیر ہے۔ رفتہ رفتہ جب تخیل میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور خیال اپنے طرز عمل پر نظر ڈالنے کے قابل ہو جاتا ہے تو جزئی یا کلی اعتبار سے اسمار کا مقصد ثانیہ ظہور پذیر ہونے لگتا ہے۔ منطق کا تعلق انہیں مقاصد ثانیہ سے ہے۔ منطق تصورات پر نظر تو اس لحاظ سے نظر ڈالتی ہے کہ وہ ابدی ہیں اور نیز اس لحاظ سے کہ وہ محسوس اور مرئی دنیا کے مادہ میں ساری و منضم ہیں بلکہ انہیں ا

موجودات سے تعبیر کرتا ہے۔ جنہیں عقل نے اپنی کسوٹی پر کس لیا ہے اور ذہن کا اس نے آپس میں مقابلہ کر لیا ہے اس کے علاوہ منطق کو اشیاء سے صرف اس حد تک تعلق ہے جس حد تک ان میں تصوراتِ عقلیہ کے ذریعہ سے ترمیم یا تغیر ممکن ہو بالفاظ دیگر کلیات جزئیات سب ہماری سمجھ کی مختلف حالتیں یا کیفیتیں ہیں۔ اور ان کا مفہوم اس عمل پر مشتمل ہے کہ جس شے کا خیال ہمارے ذہن میں آئے اس کے جملہ تعلقات وروابط کی توضیح کر دی جائے۔ ذہن میں جب ایک تصور یا شکل مثالی کا تعلق متعدد اشیاء سے قائم کیا جائیگا تو اس تعلق کے اعتبار سے اس کو کلی کہا جائیگا۔ مثلاً حیوان تصور کلی ہے۔ جس کا اطلاق ہر اس شے پر ہو سکتا ہے جو متحرک بالارادہ ہو۔

کتابیات

تاریخ فلسفۂ اسلام ڈی بوئر۔ ترجمہ از ڈاکٹر عابد حسین جامعہ ملیہ

۲- شفا۔ مصنفہ بوعلی سینا

۳- تہافتہ الاسلام مصنفہ امام غزالی

۴- تاریخ فلسفہ یونان مصنفہ سٹیس

۵- ابن سینا (فارسی) مطبوعہ طہران از آقائے امجد